شامل ہے کہ اپنی خدمت کے لیے میں تم کو مستقل مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ تم بھی بچ گئیں تو میرا کام کون کرے گا۔ بچے بھی تو تمہارے ہی ہیں۔"

"اگر نہ کریں میں بیمار نہیں ہوئی تھی تو آپ کے کام میں خلل نہیں ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے تم زبان سے کچھ نہیں کہیں اور کتنی بھی تکلیف ہو ظاہر نہیں کریں گی۔" ایاز علی زیادہ ہی مہربان ہو رہا تھا۔ اس کی زبان سے موتی برس رہے تھے۔ شہنا کی تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کر رہے تھے۔

"مجھے کس تکلیف ہوتی ہے۔ بے کار میں آپ ایسا محسوس نہ کریں۔" شہنا نے اسے بہلانا چاہا۔

"کچھ نہیں اور تھوڑے دن میں تم کو فٹ کروں گا۔ کسی طرح یہ ٹانگ۔۔۔ سنو۔۔۔ کہیں میں معذور۔۔۔" شہنا نے ایاز علی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور آہ بھر کر بولی۔

"اگر میں معذور ہو گیا تو تم میری لاٹھی ہو گی۔ میں نے تم کو تنگ کرنے کے لیے یہ بھی سوچا تھا۔"

وہ بے حد حساس ہو رہا تھا۔ شہنا ڈر گئی۔

"کیسے ہوتے ہوئے مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔"

شہنا نے [illegible] اور ایاز علی کے ہاتھ تھام لیا۔ ایاز علی کے ہاتھ تھامے وہ محبت بھری نظروں سے شہنا کو دیکھ رہا تھا۔ دن رات کی خدمت گزاری نے شہنا کو پست کر دیا۔ ایاز علی تندرست ہو گیا۔ شہنا بیمار پڑ گئی۔ ایاز علی اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گیا۔

"دیکھو۔۔۔ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ ورنہ میں پھر۔۔۔" اس نے دھمکی دی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"خدا تھک گئی ہوں نا۔ اب آرام کریں۔"

"شہنا! تم میرے گھر کا اجالا چاندنی ہو۔ اپنی چاندنی سے در و دیوار منور رکھنا۔" وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ شہنا خوشی سے رونے لگی۔

"دیکھو۔۔۔ میرے بچے تمہارے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کو تمہاری محبت اور تمہارے سائے کی ضرورت ہے اور مجھے بھی۔ جانتی ہو نا۔ میں تمہارے بغیر کتنا تنہا ہو جاتا ہوں۔ مجھے اکیلا نہ کرنا۔"

شہنا پہلی بار ایاز علی کا اعتراف سن کر وہ [illegible] ہو گئی۔ خوشی سے بھرے وہ گلے دار آواز [illegible] گئی۔ محبت ایک قوت ہے مگر اعتراف محبت [illegible] خوشی ہے۔ اور امتحان میں پورے اترنے کی [illegible] ہے۔ فریق کے لیے شہنا بھول گئی کہ [illegible] اس کی زندگی میں کوئی اور آیا تھا۔ اب وہ [illegible] آیا تھا۔ ایاز علی خوشبو سے [illegible] آزاد ہو گیا اور اس کی محبتوں کا اسیر بن گیا۔

اس بار عطوفی وطن گئیں تو سب کے لیے تحفے بھی لائیں اور اپنے [illegible] کی شادی کی موہوم سی [illegible] "اپنوں سے تو ہر سوں سے تو ہم وطن کے ہیں [illegible] تاکہ۔ ہنستے ہوئے ایاز علی نے کہا۔ "فلم لائی ہوں [illegible] پرانے رشتہ داروں کو دیکھ لیں۔ بھلا چہرے اور فراموش [illegible]

"ہاں۔۔۔ خوشبو آنی بھی ہیں [illegible]

"چھوٹی جان [illegible]" ایاز علی نے [illegible] کیا تھا۔

"ننھیا کو تو خوشبو یاد [illegible]

"ہاں بیٹا! خوشبو ہے۔ اس [illegible] خوشی اور میاں بھی [illegible]

"تم فلم لگاؤ میں بناؤں گی۔ [illegible] توجہ زیادہ [illegible]

[illegible] عطوفی کے بچوں کو نال [illegible] سونے کے [illegible] بعد جب شہنا دونوں بہن بھائی کے [illegible] لے کر آئی تو اس کے قدم رک [illegible] عطوفی قالین پر بیٹھی تھیں اور ایاز علی [illegible] آڑا لیٹا تھا۔ سیاسی [illegible] تھا اور شادی کی موہوم چل رہی تھی۔ ایاز علی بیماری کے بعد بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اسے اپنی ناگہانی علالت سے فکر سی ہو گئی تھی۔ اب بھی کبھی کبھار بخار ہو جاتا تھا اور وہ علاج پوری توجہ سے کر رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق دن میں دو گھنٹے مکمل آرام کرتا تھا۔ اور رات کو کھانے کے بعد بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش میں لگ جاتا۔ دراصل وہ نیند لانے والی گولیاں نہیں کھانا چاہتا تھا جو اعصاب کو کمزور بناتی ہیں۔ عطوفی کی وجہ سے آج وہ دیر تک جاگتا رہا تھا۔ شہنا اسے یاد دلانے آئی تھی کہ اسے جلد سو جانا چاہیے۔ عطوفی سے صبح باتیں کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس

Posted by Meena@oneurdu.com

علم سے گئے۔ تو ایاز علی گلے میں رک
کر قدم اٹھانے لگا۔ گلا خشک ہو گیا۔
اس کے اعلیٰ خاندان کے نام نہاد دار
عطولی کے نام پر تھیں۔ ایاز علی
شدید حیرت سے قلم کو دیکھ رہا تھا۔
پھر سوچنے لگا۔ کون ہے یہ عطولی؟"
اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ شہناز جھک گئی۔
کوئی سو سال پہلے کے ایاز علی کی آنکھیں تھیں۔
کوئی اور شوق سے بھری ہوئی۔ تیاری کے بعد تو اس
کی آنکھوں میں نفاست کا جذبہ لا پن آگیا تھا مگر اس
وقت اس کی نظریں مسودی پر تھیں اور چہرے پر خوشی
کی سرخی تھی۔
"تو بھائی رفاقت کی نواسی ہے سلمیٰ۔"
"مونو۔ یہ کون ہے؟" وہ بچوں
کی سی خوشی سے چمک رہا تھا۔
"یہ ابن صالحی کی بہو ہے۔ عطولی مزاج کی ہے
پر بڑی ہے بڑی کام کی۔ آپ بہت بڑا کام کر
رہی ہیں۔ تمہاری محنت کی ملکہ۔ یہ بھئی سچ تو یہ ہے
کہ میں نے تین عطولیوں کی ہستیوں کو میں دیکھ چکی
ہوں۔ شہناز کا دل تو یہ کہہ رہا تھا کہ ایاز علی سے کہے کون اٹھا ہے تیرا میر سلام
مگر یہ سچ نہ کہہ سکی۔ عطولی کہل کر
"ہاں۔ میر سلام کا بیٹا ہے۔" وہ دونوں کلم
ہیں۔ بھی میر سلام کا بیٹا ہے۔ وہ دونوں کلم
ہیں۔ تھے شہناز کی آمد کا نہیں تھم ہی نہ ہوا۔
"عطولی! وہ سین کون سا ہے جس میں خوشبو ہے۔"
ایاز علی کے لہجے میں شوق تھا۔ التجا
تھی۔
"سن۔ سن کتنے سنہرے تیر اس کی
آنکھوں میں نکاہ ہو گئے۔ دل میں ترازو ہو گئے
اسے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ عطولی نہ ایاز علی۔
دیوار۔ وہ دروازہ ٹوٹتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کون
کہتا ہے محبت اثر کرتی ہے پتھر چیخے۔ نے کہا تھا
تم میرے گھر کا اجالا ہو۔ میرے در و دیوار منور
کر دیتے ہو۔ تصنع سے تو کون واقف نہیں
سب بھوشت۔

ایاز علی نے کہا تھا سچ مچ اپنے مستقبل
مستقبل کا تو کوئی ٹھکانہ ہوتا ہے نہیں۔ کبھی
نہیں۔ محبت اٹل ہے نہیں۔ خدمت وہاں نگاری
نہیں۔ سراب دنیا کے ہی ہوتی ہے اپنے
ماضی سے محبت عشق اسی کا نام ہو گا۔ جو بغیر کسی
غرض۔ کسی کامیابی کے تصور کے بغیر ہی قائم رہتا

شہناز کا تعلق ایاز علی سے وابستہ تھا۔ اسی سے اتنی
اتنی گہری محبت نہ کر سکی جو ایاز علی کو حاصل تھی
منوالیتی۔ اس کا دل موم کر سکتی۔ شاید وہ ضرور کبھی
اپنے محل "اپنی حسد اور دیانت پر غور کرتے ہوئے
وہ ساری زندگی کی قربانیوں پر ظلم اٹھائے تھے اس
ہاں اپنے جسم و جان پر کتنے
کو خیال کہ کوئی دنیا کو بسانے کے
لیے کیا کیا محنت نہ کی ہو گی۔ اب کچھ نہیں
ہو سکتا۔ وہ جو غیر عورت سے شہناز کی عمر بھر
کی اطاعت بے بازی لے گئی تھی۔ اسے تھا کر دیا تھا۔
اکیلا چھوڑ دیا تھا ایاز نے

وہ تیزی سے باہر آئی اور لمبے جانے کے لیے زینہ
طے کرنے لگی۔ اوپر کھلا صحن تھا اور بیچ صحن کے

UrduPhoto.com

Posted by Meena@oneurdu.com

آسمان پر پورا چاند چمک رہا تھا۔ وہ مسحور سی
ہو گئی۔ بچپن سے وہ چاندنی سے باتیں کرنے کی تمنائی
تھی۔ کمرے کے روشن دان سے جھلولی اور لیاز
علی کی باتوں کی بھنبھناہٹ اسے بھی سنائی دے رہی
تھی۔ مگر وہ ان آوازوں کو سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ
صرف چاند کو دیکھنا چاہتی تھی۔ چاندنی میں ڈوب جانا
چاہتی تھی۔ وہ بڑے سکون سے صحن میں سیمنٹ
کے فرش پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ فرش ٹھنڈا ہو رہا تھا۔
ہلکی ہلکی سرد ہوا جسم
سے ٹکرا رہی تھی۔ بہت خوشگوار موسم تھا۔ وہ اپنے
بچپن کی یادوں کو یاد کر رہی تھی۔ دادی اماں اپنی پکی
جان "خالہ جان" اس کو بھی صحن میں تنہا بیٹھنے نہیں دیتی
تھیں۔ آج اتنے برس بعد وہ اپنے ارمان پورے ہوتے
دیکھ کر دل میں مسرور سی ہوئے لگی۔ چاندنی عورت کی
طرح اس کے اوپر بھی برس رہا تھا۔

آوازیں خاموش ہو گئیں۔ سکوت چھا گیا۔
ہر سمت سناٹا۔ وہ اس تنہائی اور رات کے پچھلے پہر کی
خاموشی میں بیٹھی سمجھنے لگی۔ دیواروں کے
سائے صحن میں بچھی چارپائیوں پر
کالی آن
کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ کانپنے لگی۔ یہ
کیا؟ برسوں کی تمنا پوری ہوتی نظر آئی تو کالی سے بے
تحاشہ دلگداز اسے جن بھوت بن کر ڈرانے لگے۔ اسے
اپنا سایہ بھی خوف زدہ کرنے لگا۔ وہ تیزی سے کھڑی
ہو گئی۔ ہر سمت ڈراؤنی شکلیں دیوار پر فرش پر
آسمان پر چاند کو دیکھ کر بھی اسے خوف آنے لگا۔ چاند
میں بھی کالی گھٹا ہوئی تھی۔ اس کے دل میں کوئی چپکے
چپکے کہہ رہا تھا۔ "بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ یہ تنہائی کے
بھوت تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ چاند جادو گر
ہے۔ چاندنی فریب ہے۔ اس کی آرزو میں اپنا وقت تو
خراب نہ کر۔ پگلی یہ تجھے کیا دیں گے دل کا سکون نہ
خوشی کی کرن۔ اس لیے دل نہ لگا۔" وہ دیوار پر نظر
ڈالنے سے کترا رہی تھی۔ ہر سمت خوف کے پنجرے
تھے۔ اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ اپنا سایہ
بھی کسی قدر ڈراؤنا اور ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ قریب

تھا کہ وہ دہشت زدہ ہو کر چیخ پڑتی کہ اس کی سماعت سے
ایک مہین آواز قدموں کی چاپ کی
قریب آ رہی تھی۔

"تم یہاں ہو۔ میں کمرے میں گیا تو تم نہیں تھیں۔
کھڑکی سے چاندنی اندر آ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ
پھر تم کو چاندنی کا مخبوط الحواس لے گیا ہو گا۔ جب تم
خیر تمہیں کالی۔ چاندنی کا بھوت کھا جاتا ہے نا؟ اب
بات ہے؟ کوئی تکلیف ہے تمہیں؟ میں نے لالٹین
لگایا ہے۔ تم اداس ہوتی ہو تو چاندنی میں نہانا چاہتی ہو۔
بات کیا ہے آج برسوں بعد تمہیں چاند کا خیال
آیا۔ مجھ سے پوچھو تو یہ چاند اور چاندنی محض ایک
نظر ڈالنے کے بعد بھول جانے کے لیے ہیں۔"

لیاز علی نے اسے شانے سے تھام لیا اور جھک کر
اسے دیکھنے لگا۔ وہ اب سکون محسوس کر رہی تھی۔ گہرا
سانس لے کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"نہیں مجھے عشق و عشق نہیں ہے۔ بس نیند نہیں
آ رہی تھی۔"

"یہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں میں۔ آخر نیند کیوں
اب پیاری گلی پر پھاٹکوں کا سایہ ہو رہا تھا۔ پیارے
سرسبز ہوتے ہیں اور جس پر چشمے پھوٹ کر گہرائی کی
سمت دوڑتا ہے۔ کہیں کہیں چٹان بن جاتا ہے اور اس
کے نیچے گرتے ہوئے موسیقی پیدا ہوتی ہے۔ شناکو
اچانک پیاس کا احساس ہونے لگا۔

تو نے اس پورے چاند کی چاندنی میں تم بھی کی
دور سے تم نہیں لگ رہیں۔ تم چاندنی سے بھی بڑھ کر
دلکش ہو۔ چاندنی میں ٹھنڈک ہے اور تم میں حرارت
ہے۔"

شناکو چڑ گئی۔ اف۔ منافقت۔ یہ مرد کس قدر
ابن الوقت ہوتا ہے۔ اس نے لیاز علی کے ہاتھ اپنے
کندھے سے ہٹا دیے اور مڑ کر برآمدے میں جا بیٹھی۔
لیاز علی وہیں آ گیا۔

"تب لوگ ٹھیک دیکھ چکے؟ سب سے
خاندان۔" وہ اٹھنے لگی۔ لیاز علی اس کے پاس آ کر بیٹھ

Posted by Meena@oneurdu.com

کے دل کے ہر تار کو نغمگی کا روپ دینے والا وہ نہ
بھول کر رہ گئی۔

"انسان بہت بے صبرا ہوتا ہے شنو! اسے ایک
نعمت مل جاتی ہے تو وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔ دوسری
خواہش کے پیچھے دوڑتا ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔
شاید میں نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ جو نعمت مجھے
حاصل ہے جو بے شمار نعمتیں مجھے بن مانگے مل گئی
ہیں۔ ان کی قدر کرنا میرا فرض ہے۔ میں سراسر کفران
نعمت کرتا رہا ہوں۔ شاید تمہارے ساتھ کچھ زیادتی
بھی کی ہوگی۔ اب غور کرتا ہوں تو یاد آتا ہے۔ میں نے
کتنی کتنی نظر انداز کیا ہے یہ سوچے بغیر کہ تم ہی تو
میری زندگی کا حاصل ہو۔ میں ادھورا تھا۔ تمہاری
ذات کے ساتھ مل کر مکمل ہوا۔ تم نے اپنی نیکیاں
میرے پلڑے میں منتقل کر کے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا
ہے کہ میں چاہوں تب بھی اس کا بدلہ نہیں دے
سکتا۔ میرے گھر تمہاری محبتوں اور عنایتوں کے
پھول ہر وقت برستے رہتے ہیں۔ میں اس بہار سے
غافل تو نہیں رہ سکتا۔ ایک چھوٹا سا خواب تھا۔ ایک
[illegible] کے لیے خود غرضی کے
غلاف میں لپیٹ رکھا تھا۔ میں بیدار ہو گیا ہوں تو
سارے احساس چمکتا چور ہو گئے ہیں۔ اگر تم سے معافی
نہ مانگوں تو میں گنہگار ٹھہرایا جاؤں گا۔"

"توبہ توبہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ارے
واہ کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کبھی شکوہ کیا ہے؟
کبھی کچھ کہا ہے؟" وہ مجبوب ہوئی جا رہی تھی۔

"یہی تو ستم ہے تم نے مجھے چپ کی مار دی۔ صبر
سے کام لے کر ضبط کا نمونہ بن کر مجھے نادم کر دیا
ہے۔"

شہنا کے رخسار شکر گزاری کا پسینہ
چھوٹ رہا تھا۔ خشک موسم میں بھی شرمندگی کے
احساس سے اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ واقعی انسان
کتنا بے صبرا اور کیسا ناشکرا ہوتا ہے۔

"کتنی اچھی ٹھنڈی چاندنی ہے۔ کیسا دلکش نظارہ
ہے خود بخود دل اعتراف پر آمادہ ہو رہا ہے۔ شہنا تم بھی

[illegible] ہے۔ خاندان والوں کو دیکھا۔ افسوس تم
[illegible] کسی کو پہچانتی تک
[illegible] کی آواز ابھری تھی۔ آنکھیں بھی
[illegible] چاند کی نرم ٹھنڈی روشنی اس کے
[illegible] میں کیوں دیکھوں۔ میں کیوں
کہوں۔

"شنو! آج میں ایک طویل خواب سے جاگ گیا
ہوں۔ اس خواب نے مجھے بہت دھوکے میں رکھا تھا۔
اب حقیقت اجاگر ہو گئی ہے۔"

اب علی اسے کچھ بتانا چاہتا تھا۔ مگر شہنا سننا نہیں
[illegible] کہنے سننے کا وقت گزر گیا تھا۔ اب تو کسی
[illegible] کو گھسیٹنا تھا۔ بغیر کسی جذبے کے مکمل
[illegible] زندگی کی [illegible] منافقت
[illegible] تحفظ [illegible] امن کا سائبان دل کا مگر
[illegible] تو اجڑا ہی رہے گا، کسی کو کیا فرق پڑے گا؟
[illegible] ایسے بھی بسر گزاری جا سکتی
[illegible] تو نہ سہی۔ محبوبہ بننا اتنا
[illegible] محبوبہ نہیں۔ محبوب بنانا آسان ہے۔ تو اپنے
[illegible] آسان تو نہیں۔ محبوب بنانا آسان ہے۔ تو اپنے
[illegible] بے نیاز محبوب کی خاطر ہی کی [illegible] جینا بھی
[illegible] اس میں محرومیاں ہیں۔ کسک ہے
[illegible] لیکن کسی کی خاطر سارے دکھ سہنا بھی عظمت
[illegible] کی دلیل ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کی چپ کی داد ملے گی۔
[illegible] کبھی تو احساس جاگے گا۔ کبھی تو
[illegible] کی صبح ہو گی۔ تب زندگی میں لطف آئے گا۔ اب
[illegible] رات کو آنے دو۔

[illegible] شنو! آج اس حسین چاندنی رات کے
[illegible] میں ایک اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ چاند کی
[illegible] تمہیں میرے الفاظ کا یقین دلائے گی۔ میں
[illegible] ادھورا ہوں۔"

[illegible] من موہنی موسیقی نے اس
[illegible] ترل۔

UrduPhoto.com

چاند ہیبی و کلاہی کی مالک ہو۔ مگر حسن صورت سے
یہ کر حسن سیرت سے لگے تمہارا اخلاق ہمارا
ایاز علی کو کہانی کی چاند سے دیوانہ کر رہا تھا۔
"ہائے توبہ کریں۔ میں۔ میں کیا حسین موسم
ہے۔ شہنا مسحور ہو رہی تھی۔ کیا حسین چاند
تھا اور کس قدر رہاں اور ماحول ایاز علی کو کس نے چکا
دیا تھا کہ وہ اپنی ساری بے قراریوں کا ازالہ کرنے پر تل
گیا تھا۔ اس کے صبر کا سلسلہ۔
"امی۔ امی۔ اللہ! ہائے آپ ادھر ہیں۔" فیا اور
فراز دیوانہ وار چلاتے اور پکارتے چلے آئے۔
"میں تو بڑی دیر سے چاک کر رہا تھا۔ امی آپ کہاں
چلی گئی تھیں؟" دونوں ان کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔
"امی! ہائے پاپسو جو شادی کی مووی بنا رہی ہے
اس میں سارے لوگ اتنے کلوز ہیں جیسے برسوں کے
مریض۔ صرف ایک شاہ مولی ہیں۔ وہ ایک طرف
اور باقی سارے لوگ ایک طرف۔"
"اور ملو شبو آنٹی۔ اف توبہ۔ انہیں اپنا نام بدل لینا
چاہیے۔ آنٹی کی طرح لگتی ہیں۔"
"ہاں۔ ان کے سفید بھنڈی بال۔ پوپلا
منہ۔ بے چاری کے دانت گیرا لگنے سے خراب
ہو گئے تھے نا تو سب نکلوا دیے۔ لاسٹی ٹیک کر چلتی
ہیں۔"
"میں تو سمجھی ہوں کی کوئی بوا۔ ابا نے یہ چھاپہ
بدھیا کون ہے۔ پاپسو نے کہا۔ خوشبو ہے۔ تم نہیں
جانتے۔ اف میں تو بے ہوش ہونے والی تھی۔ ہم کیا
سمجھتے تھے وہ کیا نکلیں۔ ابا بھی مایوس ہو گئے۔"
"بقول شخصے سوچا تھا کیا۔ کیا ہو گیا۔" فراز مسخرے
پن سے بولا۔
"بری بات بیٹے۔" ایاز علی دونوں کو پیار بھرے انداز
میں اپنا کر بولا۔ "وقت کسی کو نہیں چھوڑتا۔ شکر کرو کہ
ہم سب صحت مند ہیں۔ اللہ کی کرم نوازی ہے۔ وقت
بدلتا رہتا ہے اور انسان بے بس ہو جاتا ہے۔"
مایوس تر ہٹ ہوا اور پھر جاک کھیلنے لگے۔ بے خبری بہ

سانے مگر مدھوری سین دکھائی دے۔ وقت پر احسان
ہے۔ سلسلہ تو بڑے نقصان سے بچ جاتا ہے۔ شکر
صحیح کہہ رہا ہوں نا۔ ٹھیک وقت پر جاگا ہوں۔ دیر تو
نہیں ہو گئی۔ تمہارے تو نہیں ہو گئی۔"
ایاز علی پر سے چاند کا جادو چل رہا تھا۔ وہ اپنے
چاندنی ہو کر کیسے اعتراف کر رہا تھا۔ شہنا اپنی
نیک نیتی سے دامن کیسے چھڑاتی۔ شک محبت کا قاتل
ہوتا ہے اور وہ اب اپنی نئی محبت کو پروان چڑھتا دیکھ
رہی تھی۔ اسے قتل ہوتے دیکھنے کی ہمت نہیں تھی
اس میں۔ چاندنی۔ چاند۔ اور چکور۔ رات کا افسوں ان
سب کو اپنے سحر میں جکڑ چکا تھا۔ دل صاف آئینے کی
مانند اجلے اور ذہن پاکیزہ جذبات سے مرصع تھے۔
اندیشے شبہات وسوسے۔ رات کے ساتھ کہیں بھاگ
چکے تھے۔ خوف کا نام و نشان نہ تھا۔ ہر سمت اجلی
مقدس چاندنی تھی اور آسمان پر اکیلا چاند حکمران
تھا۔
سارے ارمان تمام حسرتیں آج ایک رات میں
کہیں۔ اقرار محبت۔ اعتراف محبت۔ شہنا
ہو گئی تھی۔ ایاز
علی نے برسوں کے بعد پہلی بار اس کے وجود کو تسلیم کیا
تھا۔ ہر خوشی ہر خامی پر داد دی تھی۔ پھر اب رہ ہی کیا گیا
تھا۔ دونا شکری نہیں تھی۔
اس نے دل ہی دل میں خوشبو کا شکریہ ادا کیا۔ جس
کی خراب صحت اور آثار بزرگی نے ایاز علی کو اس کے
تمام فرض یاد دلائے تھے۔
کوئی نہ کوئی بہانہ تو واپسی کے لیے ہوتا ہے۔ عطولی
کے بھتیجے کی شادی کی مووی اس واپسی کا ذریعہ بنی۔ فجر
کے وقت جب چاند بھی ادھر ادھر ہونے جا رہا تھا۔ ہر طرف
ہلکی دھند تھی۔ سوئی ہوئی عطولی کے ہاتھوں کو
عقیدت سے چومتے ہوئے شہنا اپنے جذباتی جوش
میں بھول گئی تھی کہ عطولی تو اس کے کسی بھی راز سے
واقف نہیں ہیں۔ اور عطو! حیرانی سے شہنا کو گھور رہی
تھیں۔ ہوئی صبح کے آثار بے حد معصوم اور مقدس
لگ رہی تھی۔ کسی سوتی جاگتی دلہن کی طرح۔

کمرے کی کھڑکی کے شیشے سے آنگن میں چاندنی کا نظارہ کرتے کرتے شہناز خواب دیکھنے لگیں۔ چند لمحے کھڑے ہو کر ناک شیشے سے چپکا کر جھانکتے ہوئے انہیں بچپن اور نوجوانی کے کتنے ہی سین یاد آنے لگے۔ اس چاندنی کے عشق نے انہیں کیسے کیسے رسوا نہ کیا تھا۔ مگر آج تک جب بھی وہ چاندنی کا تصور کرتیں۔ دل کے کسی گوشے میں میٹھی حسرتیں۔ آنکھوں میں خواب بن کر اتر آتیں۔

پُرنور سفید براق چاندنی۔ سکوت اور رات کی رانی کی جان فزا مہک۔ ان کی نوجوانی اسی تصور میں بسر ہو رہی تھی۔ جب ان کے اس دیوانے پن کو سراہنے والا ملے گا۔ ان کی دیوانگی کی پذیرائی ہوگی۔ اور ایک ہی جگہ دو وجود چاندنی کے بہتے سیلاب کا شوق کے ساتھ نظارہ کریں گے۔ مگر ان کا خواب دیوانے کے خواب کی طرح خاموش تھا۔ برسوں سے انہیں صحن میں بیٹھ کر ایسا نظارہ کرنے کا موقع کہاں ملا تھا۔ کبھی کوئی بندش۔ کبھی کوئی مجبوری۔ وہ بچپن میں جس طرح ترستی تھیں۔ آج تک ویسے ہی تشنہ لب تھیں۔ بچپن میں جب گرمی کی راتوں میں بستر سے اٹھ بیٹھتی تھیں اور اس روشن اور مہکتی فضا کو اپنے اندر اترتا محسوس کرتیں۔ دادی یا نانی زبردستی انہیں بستر پر لٹا کر تھپک تھپک کر سلا دیتیں۔ سردی میں بند کمروں میں بے خبر سوتے ہوئے لوگوں کے درمیان دبے قدموں اٹھ کر باہر آجاتیں۔ اور دالان کے در میں بیٹھ کر سکڑتے کانپتے ہوئے آنگن میں اترتے پورے چاند کے سیلاب کو دیکھتیں اور ان کے دل میں اس چاندنی کے ساتھ یک جان ہونے کا ارمان جاگ اٹھتا۔

ہر سمت جگمگاتی جاگتی رات کا جادو سکوت کے ساتھ مل کر دیکھنے والی آنکھ میں سما جاتا۔ ارمان بہا دیتا اور زندگی اسی در پر۔ اسی سکوت میں چاندنی سے باتیں کرتے گزارنے کی تمنا بن جاتی۔ جب چاندنی بول پڑتی۔ وہ بھی اس سے گھل مل کر باتیں کرنے لگ جاتی۔ تب اندر سے کوئی خالہ، ممانی یا پھوپھی اس کو ڈپٹ کر آتیں اور وہ پھر تمہارہ جاتی اور اندر جا کر سو جاتی۔ جوانی میں کمرے کی دہشت سے رو رو کر سو جاتی۔ جوانی میں اسے چاندنی کے عشق میں کیا کیا نہ سننا پڑا تھا۔ مراتی، کبھی کوئی اسے مشکوک نظروں سے دیکھ کر کہتا۔

"کسی کا سایہ تو نہیں ہو گیا۔" اندیشے

"نہیں نہیں۔ بچپن سے یہی حال ہے۔" دادی پھوپھی اطمینان دلاتیں۔

"آسیب کا اثر بچپن سے بھی ہوتا ہے۔ میری سگی دادی کی پھوپھیا۔ ساس کی پرنانی کے ساتھ بچپن میں ایسا ہی ہوا تھا۔" سوال کرنے والی کے پاس دلائل

Urdu Digest.com

ہوتے۔

"چھوٹے پھر کسی کے مارنے سے فائدہ ہوا۔ زندگی ایسی کسی کے بھی مارنے سے فائدہ نہ ہوا۔ زندگی ایسی طرح گزار دی ہے ہماری نے۔"

کہنے والی یوں متاسف تھی مگر مطمئن لہجے میں بولتی تھی۔ اپنی سگی دادی کی پرچھائیاں کی پرتال کو اس نے اپنی آنکھ سے زندگی ہوتی گزارتے دیکھا ہوا۔ اور شہنا سوچتی کیا میری زندگی بھی جانفشانی کے عشق میں گزر جائے گی۔ اسی طرح ارادوں کو نظارہ کرتے کیا بھی دل کھول کر ہنسنے کا موقع ملے گا۔ کبھی پوری رات اس کے ساتھ مکمل مل کر جینے کی اجازت نہ ملے گی۔ جیون میں تو اس کا ارمان پورا نہ ہو سکا کہ گھر میں ہر شخص کی دس دس آنکھیں تھیں اور ہر آنکھ سے شہنا ہی جلی رہتی۔ وہ کیا کر رہی ہے۔ کہاں جا رہی ہے۔ کس سے باتیں کر رہی ہے۔ کب سوئی اور کب جاگی۔

"ہوں ہوں۔ ادھر کونے میں کیوں کھڑی ہو؟"

کونے میں کھڑا ہونا کوئی جرم تو نہ تھا۔

"یہ دور سے کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ادھر آؤ۔ ادھر آؤ۔" وہ چیز کرنہ دور سے دیکھنا بھی گناہ ہو گیا ہے۔"

چڑنے لگ جاتی۔

"یہ اوپر کیا لینے جا رہی ہو؟ خبردار جو قدم بڑھایا۔ آؤ۔" اوپر جانے کی ممانعت تھی۔ سوائے شہنا کے۔

"یہ دن دہاڑے ہاتھ پیر لٹنے کا تماشہ کس نے بنایا ہے۔ چلو اٹھو۔" کسی کو چین نہ تھا۔ کوئی اسے بیٹھا دیکھ سکتا تھا نہ لیٹنے کی اجازت۔ وہ یونہی ادھر سے ادھر چکراتی پھرتی۔

"یہ بے چینی کیسی ہے۔ ایک جگہ ٹک کر کیوں نہیں رہتیں تم۔ ابھی کمرے میں تھیں پھر صحن میں پہنچیں۔ لو اب بالائی میں آ گئیں۔ ہو کیا رہا ہے؟"

دادی تائی تو اسے دیکھ کر بے قرار ہوا تھیں کچھ نہ کچھ کہنے "اعتراض کرنے کو وہ ان کی نظر بچا کر چاچا جانو کے کمرے میں گھس جاتی۔ چاچا جانو کی کتابیں چھیڑتی

Urdu Photo.com

ان کا قلم دان ادھر سے ادھر کرتی۔ میز کی گرد صاف کرنے کے اس پر کتابیں سجاتی۔ کچھ بھی کرتی رہتی۔ چاچا جانو کو خبر نہ ہوتی۔ وہ بستر پر لیٹے لیٹے اسے کرتے دیکھتے رہتے یا آنکھ لگ جاتی تو سوتے رہتے۔ جاگتے ہوتے تب بھی کچھ کہنے یا ٹوکنے میں منہمک ہوتے۔ انہیں اطراف کی خبر ہی نہ ہوتی۔ نہ ہی وہ شہنا کی خبر لیتے۔ یہ خبر لینے کا کام تو صرف پھوپھا جان کو ہی خوب آتا تھا۔

"میرے رومال سے ہوتے صاف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی اور کپڑا نہیں تھا گھر میں۔"

وہ کرتے شہنا نے ہوتے صاف کیے تھے اور تہہ کر کے رومال کو میز پر رکھ کر ٹھہ لگائی تھی۔ ملی تھی ہوگی۔

"پھوپھی جان رسان سے کہیں۔" "اچھا۔ آئندہ خوب خبر لوں گا آ کر۔" مگر وہ کبھی خبر نہ لیتے اس کے سامنے آنے پر بھی کچھ نہ کہتے۔ شہنا سوچتی۔ پھوپھا جان کو شاید یاد نہیں رہتا۔ بھول جاتے ہیں۔

ہر چیز کو جگہ سے بے جگہ کر دیا ہے۔" وہ جس نے

"اے ہے میں نے شہنا سے بادام منگوایا تھا۔ وہ بھی اس نے گرایا اور دھول کی تلاش میں ادھر سے ادھر کر دیں۔ توبہ۔ لڑکی ہے کہ قیامت ہے ادھر سے گزرتی ہے افراتفری مچا دیتی ہے۔"

پھوپھی جان اس سے نالاں رہتی تھیں۔ ایسی بے ڈھنگی لڑکی انہوں نے پوری دنیا میں نہیں دیکھی تھی۔

"اب سامنے آئے ذرا۔ ایسی خبر لوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔"

پھوپھا جان بلند آواز میں خفا ہوتے۔ پتہ نہیں کیسی خبر؟ انہوں نے اس کی خبر کبھی نہ لی۔ بے فکر ہو جاتے تھے۔ بس ایک بار شور ضرور مچاتے چیزوں کی تلاش میں پریشان ہو جاتے۔ پھر شہنا کی خبر لینے کا اعلان کر کے انہیں سکون سا ہو جاتا۔ ویسے وہ کبھی کی خبر لینے کے

ہادی تھے۔ اپنی بہن ہو یا بھائی سب پر راشد ہسپتالا پڑا
تھی۔ بچپن سے ہی یتیمی کا داغ
اٹھائے وہ کبھی ماموں، کبھی خالہ اور کبھی پھوپھی کے گھر
رہتی رہی۔

یوں بھی سارا خاندان قریب قریب رہتا تھا۔ ایک
ہی بلڈنگ میں ماموں اور ان کے بچے رہتے تھے۔
اسی گھر کے اوپر والے حصے میں خالہ جانی اپنی نازک
مزاج بیٹیوں اور شوخ بیٹے کے ہمراہ زندگی گزار رہی
تھیں۔ چونکہ یہ گھر ان کے والد کا تھا۔ اوپر کا حصہ
انہیں ترکے میں ملا تھا اس لیے وہ اس میں رہتی تھیں
اور اسی بات پر ان کے شوہر ناراض تھے وہ اپنے والد
کے گھر میں ہی رہتے تھے۔ کبھی کبھی بچوں سے ملنے
آجاتے اور شہریار یعنی اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے
جاتے۔

شہریار بہت شیطان تھا۔ اس کی شرارتیں بھی اس سے
ہی منسوب تھیں۔ شہریار باپ کے ساتھ چلا جاتا تو وہ چین
کا سانس لیتیں۔ ادھر چچا جانو نے ایک کمرے کو پناہ گاہ
بنایا تھا۔ اسی میں ان کی کل کائنات تھی۔ دن رات
لکھنا پڑھنا اور سونا۔ کھانے پینے کی زیادہ پروا نہیں کرتے۔
پھوپھی جان بہت اہتمام سے ان کا کھانا ناشتا بھیجا
کرتی تھیں مگر اکثر وہ بوں کا توں واپس چلا جاتا۔ البتہ وہ
اپنے کمرے میں چائے بنا کر پیتے رہتے تھے۔ ہفتے میں
ایک بار پھوپھی جان ان کی خیر خبر لینے آتیں تو بڑبڑاتی
ہوئی کمرہ درست کرتی جاتیں۔ ساتھ ہی شہناز پر برستی
جاتیں۔

"ارے لو ٹھاکی لو ٹھا ہو گئی ہے۔ یہ نہیں کہ چچا کے
کمرے کی صفائی ستھرائی کر لیا کرے۔ کسی چیز کا احساس
نہیں۔ اور ان بھائی کو کیا کہوں کہ ذرا سا سر اٹھا کر
بھتیجی کو تاکید کر دیں کہ بھی جھاڑو نہیں تو جھاڑ جھٹک
ہی کر لے۔ سارے کمرے میں دھول اڑی ہوئی ہے۔ کتا
بھی بیٹھتا ہے تو دم ہلا کر زمین کو صاف کر لیتا ہے۔
ہماری بھتیجی ہیں کہ گھنٹوں ایک جگہ جمی رہیں گی۔ کیا
مجال پھونک مار کر ہی گرد صاف کر لیں۔ بس انہیں

رات بھر جاگے تو صبح میں پسور دو۔ اپنے آپ سے
باتیں کرتی رہیں گی۔ پاگلوں کی طرح۔ ارے ہاں۔
پاگلوں کے سر پر سینگ تو ہوتے نہیں۔ ایسے ہی ہوتے
ہیں وہ بھی۔ الٰہی یہ لڑکا اپنے گھر میں کیا گل کھلائے گی
میرے مولا! خاندان کی لاج تیرے ہاتھ ہے۔ کچھ
توفیق اسے بھی دینا۔"

وہ سر جھکائے سنتی رہتی اور انگلیاں مروڑتی رہتی۔
دن بھر اسے مدہوشی سی رہتی تھی۔ کبھی بچا جانو کے
کمرے میں۔ آوارہ بادل کی طرح کھوئی پھرتی وادی
پھوپھی کی نصیحتیں۔ شہریار کی چھیڑ چھاڑ۔ مومی مانو
کی ناگواری سنتی، دیکھتی، سمجھتی ہوئی ایک جگہ سے
دوسری جگہ بدلتی رہتی۔ راشد بھائی کبھی کبھی اس سے
دوستانہ ہمدردی کرتے تو کہتے۔

"تھک گئی ہو گی جاؤ آرام کرو۔" پھوپھی جان
حیرت سے راشد کو دیکھتیں تو وہ ہنس دیتے۔

"خالی ادھر ادھر پھرنے سے بھی تھکن ہو جاتی ہے
امی! مجھے تو ہوتی ہے۔"

البتہ راشد بھائی اس سے کام لینے میں ماہر تھے۔ وہ
ان کا ہر کام کر دیتی۔ سر پھوپھی جان کے
تانے ہوئے کام اس سے خراب ہوتے تھے۔ شہریار
بھی اس سے چائے کی فرمائش کرتا تو وہ منہ بنا کر
پھوپھی جان کی طرف آجاتی یا پھر ماموں کے گھر۔ اگر
ان کے بچوں نے کھیلنے لگتی۔ بچپن سے جوانی تک
اس نے اعتراضات کی دنیا میں سفر کیا تھا۔ ہر جگہ نکتہ

Urdu Photo.com

Posted by Meena@oneurdu.com

پھپھی۔ تاکہ اری پیاری نانی دادی کے مرنے کے بعد تو سب اس کے اپنے ہی ہو گئے تھے۔ نہ اس کا کوئی کمرہ تھا نہ اس کا کوئی مخصوص بستر۔ اسی لیے وہ دھوئیں سے بھرے کمرے سے اور کوڑے کباڑ سے آراستہ بچا جانو کے کمرے میں گھنٹوں بیٹھی مہینے کلیریں بناتی یا ان کی لکھی تحریریں پڑھتی۔ ایک ایک کتاب وہ ہزاروں دفعہ پڑھ چکی تھی۔ پھوپھی جان کا ادھر گزر ہوتا تو وہ ناک چڑھا کر لعنت ملامت کا پٹارہ کھول دیتیں۔ انہیں بچا جانو سے بھی بہت شکوے تھے کہ وہ خود تو نکھٹو ہو ہی گئے ہیں بچہ بچی کو بھی اپنے ساتھ وہ آوارہ بنا رہے ہیں۔ بچی فرزانوں کی اس دنیا میں ان بچا بھتیجی کو سب ہی دیوانی لگتے تھے۔ وہ جو اس بڑے سے گھر میں سارے کے سارے دار تھے۔ شہنا اپنے باپ بھائی کے علاوہ دادی کے ترکے کی بھی حقدار تھی اور اس کے والد کا اپنی بھی اس گھر میں اگا تھا۔ انہوں نے اپنے لیے جدید قسم کے کمرے بنوائے تھے اور بچا جانو تھے جو آدھے گھر کے مالک تھے دونوں ہی ایک کمرے میں بے ڈھنگا سا بستر لگائے تھے کہ وہاں کتابوں اخباروں اور بیسیوں کی بھار میں آرام سے لیٹنے کی جگہ بھی کہاں تھی۔

رات کو پھوپھی جان اسے اپنے کمرے میں لٹاتی تھیں۔ جبکہ ان کی بیٹی عالیہ اور راشد الگ الگ کمروں میں رہتے تھے اور کسی کو ان کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ وہی کمرے تھے جنہیں شہنا کے والد نے بڑے شوق سے بنوایا تھا۔ مگر وہ انہیں باہر سے ہی دیکھ سکتی تھی۔ البتہ جب عالیہ کو ضرورت ہوتی وہ شہنا کو اندر بلا کر اس سے کمرے کی صفائی کرالتی یا سیٹنگ بدلواتی۔ جس کے نتیجے میں اسے کوئی تعریفی الفاظ سننے کو نہ ملتے بلکہ اعتراض ہی ہوتا۔

"میز پر فراشیں ڈال دیں۔ بیڈ کور کی فراشیں اتنی تیتی ایس کو بے احتیاطی سے کھینچ کر نوچ ڈالا۔ کھو کر سے کملا کر ادیا۔ ای یہ انسان ہے کہ جانور؟ کسی بات کی تمیز ہی نہیں ہے۔"

اسے تمیز ہو نہ ہو۔ عالیہ اور راشد کو کام پر لینے کا گر آتا تھا۔ جب اس نے اچانک خودرو پودے کی طرح بڑھنا شروع کیا تو اچانک ہلکہ ایک دم سے سارے کپڑے چھوٹے ہو گئے۔ ان دنوں وہ بے حد خوش رہتی معمولی سی آہٹ پر چونک جاتی خود سے ہی باتیں کرنے لگی۔ ان دنوں پھوپھی جان موبائی جہان اور خالہ جان کو ناگوار گزرنے لگی۔ تمام کی کو اس سے غیر معمولی چاہت ہو گئی تھی۔ تمام خواہیں اسے اپنی نظروں کے سامنے بٹھا کر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیا کرتیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ان لوگوں کے لیے بہت اہم ہو گئی ہو۔

ادھر سے ادھر اس کے پیچھے پھرنا ان کا کام تھا۔ اور نظروں ہی نظروں میں اس کا پہرہ ان کا فرض بن گیا تھا۔ ان دنوں وہ بے حد تنہائی محسوس کر رہی تھی۔ کسی سے بولنے باتیں کرنے کو جی چاہتا۔ دل میں اچانک اٹھ آنے والے خیالات کے اظہار کو بے چین ہوتا۔

عالیہ کو اپنی سہیلیوں سے ہی فرصت نہ ہوتی تھی۔ وہ بچا جانو کو اچانک اپنی دوست بنا لی تھی۔ وہ ان کے پاس بیٹھی بچا کے گھریلو [illegible] ماموں زاد بھائیوں کی باتیں [illegible] اشارے کر کے ہنسا کرتیں۔ اس لیے وہ ان سے دور دور رہتی۔

شہریار کی چیز پھاڑ کی عادت بدستور قائم تھی۔ جب اگر وہ اس کے ہاتھ نہ رسید کرتا۔ اس سے چائے کی فرمائش کرتا تو وہ ہنس دیتی چائے بنا لاتی اور یہ بات خالہ جان کو ناگوار گزرتی۔ وہ شہریار سے کچھ کہنے کے بجائے شہنا کو گھورنے لگتیں اور چپکے چپکے سوال کرتیں۔

"کیوں ہنسی تھیں؟ کیا کہا تھا شہریار نے؟ وہاں کیا کر رہی تھیں۔؟"

ان دنوں سب کو اس کی فکر ہو گئی تھی۔ پھوپھی جان اسے اپنے کمرے میں سلاتی تھیں اور رات کو اسے بستر سے اٹھنے کی اجازت بھی نہ ملتی۔ وہ کروٹیں بدل بدل کر تنگ آجاتی اٹھ کر بیٹھتی تو پھوپھی جان فوراً آنکھ کھول دیتیں۔ شہنا سو جاؤ۔ شاید پھوپھی

Urdu Point.com

جان کو بھاتو آتا ہے۔ وہ کس طرح اس کے اشارے پر
ناچ اٹھتی ہیں۔
"پھوپھی جان! کھڑکی کھول دوں۔ روشنی آرہی
ہے چاند کی۔"
"کوئی ضرورت نہیں۔"
"یہ یہ۔ یہ رہنے دوں؟ ذرا سی چاندنی اندر۔۔۔"
"بالکل نہیں۔ اس میں رہو۔" پھوپھی جان گرم
ہو جاتیں۔ "لڑکیوں کو چاند اور چاندنی سے کیا واسطہ۔"
"کیوں لڑکیوں کو کس چیز سے واسطہ ہونا چاہیے"
"ضرور اور خوش جمال چاندنی بھلا کیا نقصان پہنچا سکتی
تھی۔ مگر اسے آنگن میں بھاگنے کی بھی اجازت نہ ملتی
رات کو۔ اور دن کو کمروں میں داخلہ بند ہوتا۔
"ادھر کہاں؟ اللان میں بھیجو۔"
"پھوپھو آنگن میں۔ کہاں بھیجی جا رہی ہو۔"
اس کے چچا جانو کے کمرے میں جھانکنے پر بھی پابندی
تھی۔ وہ جب بھی ان کا کمرہ صاف کرتی تھی۔ اس
کے چچا جانو اس کے ممنون ہو جاتے اور اس کو چاہے
کے لیے پیسے دیتے۔ مسکراتے۔ دنیا کی ذہنیت اس قدر غلیظ
کر دی گئی تھی۔ [illegible]
ہیں سے کہا۔
"بھتیجی! اپنی پھپھی کے پاس ہی رہا کرو تم۔ اور جب
بھی آنا ہو۔"
اس وقت ان کی آنکھوں میں پانی چمک رہا اور
ہونٹ لرز رہے تھے۔ جیسے انہیں بہت تکلیف
ہو رہی ہو۔ اس کے بعد وہ ایک روز ارشد بھائی کو ہمراہ
لے کر چچا جانو کے پاس گئی۔
ارشد بھائی اپنی امی سے لڑنے لگے اور چچا جانو نے
ہنس کر کہا۔
"بہت معصوم ہو تم۔ خدا کرے جہاں رہو۔ خوش
رہو یہ دنیا تمہیں بہت تنگ کرے گی۔"
پھوپھی جان نے عالیہ کو تاکید کی کہ وہ شہنا کو اپنے
ہاں بٹھایا کرے۔ مگر عالیہ کو اتنے فون کرنے اور سننے
ہوتے تھے کہ وہ شہنا کو اپنے پاس بٹھانے کا خطرہ نہیں
پانا چاہتی تھی۔ ادھر صوفی اور رومانا بھی اس سے بیزار

تھیں کہ ان کے ابو بچپا جس کو شہنا بہت اچھی لگی تھی اور وہ اسے موقع بہ موقع اس بات کا اظہار کرنے میں دلیلیں دیتے نہ تھکتے تھے۔

ایک روز بچا جانو نے پھوپھی جان اور خالہ جان کی شکایت پر مشورہ دیا کہ وہ اپنے بیٹے سے شہنا کی شادی کر دیں۔ وہ دونوں خواتین اچھل پڑیں اور ایک دوسرے کو مجبور کرنے لگیں کہ شہنا ان کے گھر کے لیے بہت مناسب ہے۔ لیکن وہ دونوں کو اس بے وقوفی سے قاعدہ بے عقل اور تہذیب سے کوری لڑکی کا اپنے لائق فائق فرزندوں سے رشتہ منظور نہ تھا۔ وہ تو بچا جانو کی سمجھ کار گر ہوئی۔ انہی جیسے علم و ادب کے شائق میر نواز علی نے شہنا کو دیکھتے ہی اپنے گھر کی رونق اپنے آنگن کی چاندنی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس بھی سب کو اس کا مذاق اڑانے کا موقع خوب خوب ملا۔ میر نواز علی کا بیٹا انور علیہ کا شائق۔ کتابی کیڑا تھا۔ وہ مصور تھا مگر اس کی تصویروں کو کہیں پذیرائی نہ ملی۔ نواز علی کی کافی جائیداد تھی۔ گزارہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اس لیے خلیفہ ایاز علی [illegible] مگر میر نواز علی کی خواہش تھی کہ ان کا بڑا بیٹا کچھ کر کے اپنے پیروں پر کھڑا ہو۔ بالکل اتفاق سے اس کی چند تصویریں اچھے داموں پر فروخت ہو گئیں۔ اور ماں کو اپنے ارمان نکالنے کا بہانہ مل گیا۔ وہ جھٹ پٹ تیاری کر کے آئیں اور شہنا کو رخصت کرا کے لے گئیں۔

اس افراتفری کی شادی پر عالیہ کو اس قدر ہنسی آئی کہ اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔ شادی کے موقع پر چچا جانو نے پھوپھی جان سے جھگڑا کر کے اس کے مکان پر قابض رہنے اور اتنا عرصہ گزارنے کے بعد کرائے کے نام پر رقم کا تقاضا کیا۔ پھر پھوپھا جان نے اس حق کو تسلیم کر کے کرائے کی بڑی رقم شہنا کے حوالے کی اور چھوٹی رقم دولہا کو دی۔ پھوپھی جان نے سلامی بھی الگ سے دی۔ اور یوں چچا جانو اپنی کامیابی پر بے حد مسرور ہوئے۔ انہوں نے اس مکان پر شہنا کا حق تسلیم کرا لیا تھا۔ اور اس حق کے بعد شہنا جیسے بہت مطمئن ہو گئی تھی۔

اس کی اضطرابی کیفیت۔ عالیہ، شہریار، سوی، مانو کے مذاق پر نروس ہو جانا اور خوفناک زندگی کا عالم بھی اس احساس کے بعد غائب ہو گیا تھا کہ وہ مالک مکان ہے اور خصوصاً پھوپھو جان اس کی کرائے دار ہیں۔ وہ اس کی ذاتی کمروں میں عالیہ، راشد بھائی رہتے ہیں۔ وہ اس کی ذاتی ملکیت ہیں۔ شادی اس کے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا۔ اس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ البتہ جب سوی مانو اور عالیہ اسے بتاتیں کہ شادی کے معنی غلامی کے ہیں۔ اسے اب سسرال والوں کی غلامی کرنی ہے۔ صبح سویرے دو کلو آٹے کے پراٹھے اور دوپہر شام پانچ کلو آٹے کی روٹیاں تھوپنی ہیں۔ گھر میں جھاڑو لگانی ہے۔ سب کے میلے کپڑے دھونے ہیں اور سسر کی گالیاں بھی سننی ہیں۔ ساس تو ہوتی ہی ہے ظالم دہشت ناک۔ انہوں نے ساس کی جبر و زیادتیوں کے اتنے قصے سنائے تھے کہ اس کا جسم سرد ہو گیا تھا۔ بچپن میں وہ اسپتال سے بہت ڈرتی تھی۔ جہاں جا کر پہلے اس کی ماں اور پھر باپ بھی واپس نہ آئے تھے اور ڈاکٹروں کی سفید براق وردیاں اور نوکیاں بھی اسے لرزا دیتی تھیں۔ اسپتال کے بعد وہ اسکول سے لرزاں رہی۔ مگر اب سسرال اسے خوف ناک غار لگ رہی تھی جہاں آدم خور درندے اس کے منتظر تھے۔ مگر چند دن بعد جب وہ سسرال میں بہت خوبصورت دن گزار کر آئی اور عالیہ کے شکوک کا ازالہ کرنا چاہا تو اس نے ہنس کر کہا۔

"ابھی کیا ہے۔ ابھی تو سب محبت ہی ظاہر کریں گے۔ بلی بھی پہلے پہل اپنے شکار کو سہلاتی ہے۔ پھر لقمہ بناتی ہے۔"

وہ مزید سہم گئی۔ مگر چچا جانو نے اسے سمجھایا تھا۔ اس کا وقار کرنے کے لیے اس کے سر کے سامنے اسے سخت سست کہا۔ اور سسر نے فوراً اسے اپنی پناہ میں لے کر کہا۔

"اب یہ ہماری بیٹی ہے۔ ہم خود اسے سمجھا لیں گے۔ آپ اٹھیے نہیں۔" انہوں نے اسے اپنے سینے

Urdu Photo.com

Urdu Photo.com

کو تھپکنے پر لگی۔ آہا۔ ہر سمت نور ہی نور۔ کالی رات میں سناٹے کی حکومت تھی۔ دیوداروں پر لگی کالی چاندنی میں کی مصور کی بنائی تصویر تک رہی تھی۔ پہاڑوں کے دامن میں بہتے چاندنی کا دریا بہہ رہا تھا۔ وہ دیوار کو تھپکتی رہی۔ دن میں کالی کس قدر بدصورت بدنما لگتی تھی۔ مگر چاندنی میں کسی شاہکار کا گمان ہو رہا تھا۔ پہاڑ پر سیر کرنے کا کتنا شوق تھا اسے۔ کاش وہ بھی کبھی پہاڑوں پر جا سکے۔ ان پہاڑوں پر قدرتی جھرنے بھی ہوتے ہیں۔ جو پہاڑ کی جانب بھاگتے رہتے ہیں۔ کہیں کہیں آبشار کی طرح گرتے ہیں اور بڑی پیاری موسیقی کو جنم دیتے ہیں۔ تن تن ترل ترل۔ اس نے کسی فلم میں مناظر دیکھے تھے اور جب سے ہی وہ پہاڑ پر جانے کی تمنا پال رہی تھی۔ شادی کے بعد اب اسے موقع ملا تھا چاندنی کی سیر کا۔ اور چاند نے اسے پہاڑوں کی سیر کرادی۔ جھرنے دکھائے اور پانی کے موسیقی کو سننے کا نظارہ ساتھ ہی وہ دلکش موسیقی تن تن ترل ترل۔ یہ اس حسین چاندنی کا اعجاز ہی تو تھا۔ اف اتنے چاندنی اتنی ہو جانا چاہتی تھی۔ وہ یہ سہانی پھواروں یہ سنانا چاہتی تھی مگر ابھی اسے چند منٹ اس منظر میں گم ہونے کا موقع ملا تھا کہ پیچھے سے ایاز علی نے اسے گھسیٹا۔

"یہ۔ یہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ تجھے اکیلا چھوڑ کر آگیں تم بہت ظالم ہو۔ بے درد۔"

وہ بھول چکی ہو گی۔ وہ ظالم نہ تھی۔ بے درد بھی نہ تھی۔ اسی لیے اس دن کے بعد پھر اسے اس جاں افروز نظارے کا موقع نہ ملا وہ ہر ماہ چاند کے پورے ہونے کا انتظار کرتی۔ اور حسرت سے کھڑکی کی سمت دیکھتی اس کا کمرہ ایسے رخ پر تھا کہ وہاں سے چاند کی جھلک بھی دیکھی نہ جا سکتی تھی۔ پھر بھی ایاز علی نے اسے اپنے حسن سلوک سے اتنا مسحور کر رکھا تھا کہ وہ اس پر زیادہ افسردہ بھی نہ ہوتی۔

ایاز علی کے والدین اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے میں مستعد رہتے۔ اعجاز اور نبیہہ اس پر جان چھڑکتے

کرنے لگا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے سارے وجود میں گرم لہریں سی تیرنے لگی تھیں۔ ساس سسر ڈیور کریم اس کے عاشق ہو گئے تھے اور ایاز علی نے تو اسے مل ہی لیا تھا۔

"چار دن کی چاندنی ہے۔" عالیہ نے صوی کو اشارہ کرکے کہا۔ "چند دن بعد دیکھنا۔"

شناسا ملہ کھول کر رہ گئی۔ "چار دن کی چاندنی کا مطلب اچھا نہیں تو۔"

"چاندنی کبھی ہو گی نا کہ چاند بھی ہو۔ خیال دیکھنے کی چاندنی کبھی تو تمہیں لے نکلیں گے ہیں وہ۔ نہ فرض سے تو تمہیں لے نکلیں گے ہیں وہ۔ نہ کھانا پکانا آتا ہے۔ نہ گھر کے دوسرے کام کرو گی۔ پھر کیا وہ تمہارا اچار ڈالیں گے۔"

"اور اگر اچار ڈالنے کی غلطی انہوں نے کی۔" صوی منہ بنا کر بولی۔ "تو بھی پچھتائیں گے اس میں لذت ہو گی نہ رنگ۔"

"اور وہ مصور۔" شہلا نے گود میں تکیہ رکھ کر ان لوگوں کی باتوں میں شریک ہو گیا۔

"وہ مصور بھی اگر انہیں ماڈل بنانے کی غلطی کرے گا تو پچھتائے گا۔"

"کچھ دن تو اسے عیش ہو لینے دیتے۔" راشد بھائی بھی ٹپک پڑے۔ "جو ہونا ہے وہ تو ہو گا ہی۔ ذرا اور مست ابھی خواب خرگوش سے جاگو مت۔"

مصور ایاز علی نے اسے محبت کرنا سکھایا تھا اور اس محبت نے اسے سب کی خدمت کرنا بھی سکھا دیا تھا۔ وہ صوی، عالیہ اور مانو کے شبہات دور کرنے کے لیے ہر کام سیکھنے لگی۔ سبھی ساس کے آگے پیچھے پھرتی۔ سبھی نند کی خوشامد کرتی۔ چند مہینوں میں وہ ہر کام میں طاق ہو گئی اور جب اس نے ایاز علی کو اپنی محبت، اطاعت اور خدمت سے زیر کر لیا۔ وہ گھر کی مالک و خود مختار بنا دی گئی تو اس پر پھر سے پچھلی محبت کا نشہ چھانے لگا۔

چودھویں کی رات تھی۔ اور ساس سسر کے سونے کے بعد۔ ایاز کو نیند میں مست چھوڑ کر وہ دبے پاؤں

UrduPhoto.com

[illegible] صرف ایک ہی پیشہ بتاتا رہا۔ خوشبو کا پیشہ۔ پھر
[illegible] کر خوشبو اپنے گھر میں خوش رہے۔ اس کی
[illegible] اور شوہر نیوی میں جہاز پر رہتا ہے۔ خوشبو
[illegible] تنہا ہے۔ صرف اس گھر کو بنانے سنوارنے
[illegible] کے کام آتی رہی۔ اس کے گھر کی جنت کو ہوا اس کی
[illegible] خوشبو میں بسا رہتا تھا۔

ایاز علی لوگوں سے تعریف سنتا اور دانت پیس کر رہ جاتا۔ اسے یقین نہ آتا تھا خوشبو نے ایسا کیا ہوگا۔ کبھی نہ کبھی وہ اسے یاد آتا ہوگا۔ کوئی تو کمی محسوس کرتا ہوگا۔ کبھی تو اس کی زندگی کی کوئی تلخ یاد اسے آشنا کرتی ہوگا۔ کبھی تو شوہر کی تلخ زبان کو ایاز علی کی شیریں بیانی کی یاد دلاتی ہوگی۔ شوہر کی بے اعتنائی پر اسے ایاز علی کی شور اور گہری محبت کا دھیان آتا ہوگا۔ کاش کوئی اسے بتاتا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ روٹی سے ہوٹ کانتی ہے اپنی عادت کے مطابق بیچ میں کمس کر روٹی ہے۔ کس سے پوچھتا رہتا تھا بھی کون ہے کبھی کسی کو خوشبو تک نہ ہوا تھا کہ خوشبو کو کوئی دکھ بھی پہنچا ہوگا۔ ایاز علی کے جذبات میں [illegible] آتا۔ [illegible] رات بھر جاگ کر اپنے چہرے پر زندگی کے [illegible] رنگ آزماتا۔ صبح اسے پھاڑ پھینکتا۔

آخر ایاز نے اسے دو تصویریں بنانے پر آمادہ کرلیا۔ پھر وہ ایک مصور بن گیا۔ اور تب سے تصویریں بنا رہا ہے۔

شہنا نے اس کی زندگی میں قدم رکھا تو وہ چونک گیا۔ شہنا کی معصوم صورت۔ سادہ حسن اور بچکانہ ادائیں اس کے دل کو بھانے لگیں۔ مگر اول دن سے وہ اپنی ماضی کی محبت کو خیرباد کہنے کے بجائے اسے تازہ رکھنے اس عہد پر قائم رہنے کا عزم کرچکا تھا۔ اس نے شہنا کو بھی خوشبو بنانے کا تہیہ کرلیا۔ مگر اماں کی وجہ سے کبھی نہ ہوا۔ ایک بار پھر انہوں نے اپنی جان کی قسم دے کر عہد لے لیا کہ وہ شہنا پر خوشبو کو ظاہر نہ کرے گا۔ کم از کم ان کی زندگی میں وہ شہنا کو کسی کرنی کا شکار نہیں بنائے گا۔

ایاز علی اپنے عہد پر قائم رہا۔ اور اماں کے بعد اس نے دل کے اندر پلنے والی داستان غم سنا ڈالی۔ اپنی اس محبت کا اقرار بھی کیا۔ اور کبھی نہ بھولنے کا عزم بھی۔ اس نے شہنا کے چہرے پر پھیلنے والی مایوسی کی سیاہی نہ دیکھی تو دل کے تڑپنے کا تسکین کیا دیکھتا۔ شہنا مرجھا گئی۔ اس کا اعتماد ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور اسے اپنا وجود قطعاً غیر ضروری اور فضول لگنے لگا۔

ایاز علی نے پرانی یادوں کے چراغ جلائے تو وہ جلتے ہی رہے۔ ایک کے بعد ایک واقعہ کڑی سے کڑی ملتی رہی۔ خوشبو کی شوخی۔ اس کا سدا بہار حسن۔ اس کی منہ زور جوانی۔ مستانہ چال۔ دلکش ادائیں۔ شیریں آواز۔ وہ ساون کے مہینے میں جھولے پر بیٹھ کر ملہار گاتی تو سریلی آواز کی رسیلی تانیں دور دور گونجنے لگتیں اور [illegible] ہو جاتے۔ خوشبو بے حد ملنسار شعار تھی۔ مہذب تھی۔ اخلاق اور ہر کام میں ماہر۔ اس کی آنکھوں میں جادو تھا۔ [illegible] میں سیاہ ناگن جیسی لہریں۔ جب وہ چلتی ہوئی چال سے چلتے بڑھتی تو پیچھے پیچھے لہراتے سیاہ بال یوں [illegible] جیسے [illegible] ہیں۔ اس [illegible] جسم [illegible] کا شاہکار تھا۔

شہنا کے دل پر خوشبو کے سراپے کا ایک ایک نقش جم گیا تھا۔ اتنے برسوں بعد اسے معلوم ہوا۔ وہ جسے اپنا محبوب۔ اپنا مجازی خدا۔ اپنا شریک زندگی سمجھتی رہی وہ تو خوشبو کا متوالا تھا۔ آج تک شہنا کا کوئی عکس اس پر وہ اثر نہ ڈال سکا تھا۔ جس سے خوشبو کا رنگ ہلکا پڑتا۔ برسوں اس کہانی کو سینے میں چھپائے رکھنے کی وجہ سے ایاز علی شاید تھک تو گیا تھا مگر اکتایا نہ تھا۔ کچھ بھولا بھی نہ تھا۔ خوشبو کی مسکراہٹ خوشبو کے لہجے کی شیرینی دن رات اٹھتے بیٹھتے اب ایاز علی خوشبو کے گلے پڑھا کرتا۔ پرانے واقعات سناتے ہوئے وہ موجودہ دور کو بھلا بیٹھتا اور ذہنی طور پر ماضی میں پہنچ جاتا۔ جہاں سکھ ہی سکھ تھا۔ خوشبو تھی اور وہ تھا۔ ایاز علی کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی آنکھوں میں یادوں کے چراغ جل رہے ہوتے۔ ایسے میں شہنا

UrduPhoto.com

Posted by Meena@oneurdu.com

اسے وہیں چھوڑ کر اللہ جانی اسے گھر کے دیوں کام کرنے ہوتے تھے۔

"میں بتیا کو لے کر شہو بلاؤں گی۔ وہی ہی خلیق سلیقہ شعار اور مہذب ہے۔" شہنا ادا سے کہتی۔ "وہ اتنی حسین نہیں ہے۔ بچوں کے کپڑے۔" "وہ بہری بچی تو حسین ہے۔ بچوں کے کپڑوں سے فارغ ہو کر وہ کھڑکی سے باہر جھانکتی تو ہر سمت اندھیرا ہوتا اس کے دل کی طرح جہاں سکوت تھا اور دور تک کوئی امید کا خانہ نہ تھا۔ اس دن ایاز علی کی ایک کزن معلولی آئیں تو پچھلے زمانے کے یادوں کے دریچے کھل گئے۔ ایاز علی معلولی سے سب کے حالات پوچھ رہے تھے۔ خوشبو بھی خاندان کی لڑکی تھی اس کا بھی ذکر ہوا۔ شہنا کو اس نام سے بھی کوفت ہوتی تھی شہنا وہاں سے ٹل کر کچن میں آئی۔ وہ جانتی تھی خوشبو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ایاز علی لاکھ اس کے عاشق ہوں۔ وہ بھی سرل ایک نام کے پجاری ہیں سرل نام سے گھر وہ نام بھی مہکتا ہوا۔ مہکاریں بکھیرتا ہوا اس کے حواس پر چھایا تھا۔ ایاز علی کی بات تو اور ہے خود شہنا اپنی ساس کی بہت عزت کرتی تھی۔ وہ کتنی جرحدار ہے۔ خود شہنا چار بچوں کی ماں ہو کر آج بھی اتنی چست اور نازک اندام ہے کیا محبت ایک نام کا نام ہے۔ شہنا میں کیا کمی ہے جو آج تک ایاز علی خوشبو کے سراپے کو نہیں بھلا سکا کیا حسن سے جسم سے اتنی محبت ہو سکتی ہے۔ برسوں سے ایاز علی نے اسے دیکھا تک نہیں۔ آخری دید کا نظارہ ہی آنکھوں میں سمائے بیٹھا ہے۔

وہ موتیا کی کلیاں گوندھ رہی تھی اسے موتیا بہت پسند تھا۔ اس نے بڑے بڑے بالوں میں موتیا ان کی لڑیاں پرو کر پہنی ہوئی تھیں۔ اور گلاب کی نازک سی سفید کلی بالوں میں لگائی ہوئی تھی۔ اس کے سیاہ گھنے بال آبشار کی طرح چہرے پر گرے ہوئے تھے وہ مسکرا رہی تھی۔ اور اس کے موتی جیسے دانت چمک رہے تھے۔ بس یہی نظارہ آج تک ایاز علی کے سینے میں محفوظ تھا۔ دیکھا آنکھوں سے تھا مگر اس کو دل میں ایسے قید کیا تھا کہ کبھی شہنا کا بھی وہاں دخل نہ ہو سکا۔ کوئی ایاز علی سے پوچھتا۔ کل شہنا نے کس رنگ کے کپڑے پہنے تھے۔ وہ لاکھ یاد کرتا اسے دھیان نہ آتا۔ مگر خوشبو کے لباس کا رنگ۔ تو وہ بھولا نہیں تھا۔

شہنا اپنی کم سنی کے باعث شروع میں ایاز علی کے گہرے کھوئے انداز کو سمجھ نہ سکی تھی۔ اسے یہ سوچ اندازہ ہی نہیں ہوا کہ اس کے سوا کوئی اور نام کوئی اور وجود ایاز علی کے دل میں زندگی بن کر دھڑک رہا ہے۔ اسے یقین تھا کہ ایاز علی شہنا کو بہت چاہتا ہے۔ شہنا کے لیے موتیا کے گجرے لاتا تھا۔ اس کے لیے نت نئے لباس خرید تا اسے ہر وقت سجا سنورا دیکھنا چاہتا تھا۔ اس وقت شہنا بہت خوش ہوتی۔ اپنا ہر لباس ہر زیور پہنے وہ عالیہ اور صوی کو دکھاتی۔ عالیہ کی شادی شہریار سے اور صوی کی راشد بھائی سے ہو گئی تھی اور وہ چاروں ایک دوسرے سے بہت جلد پیار ہو گئے تھے۔ شہریار کو عالیہ میں دس ہزار خامیاں نظر آتیں۔ شہریار بہت شوقین مزاج آدمی تھا۔ اپنی کمائی کا بڑا حصہ وہ اچھا کھانے اچھا پہننے پر خرچ کر دیتا تھا۔ عالیہ کی کفایت شعاری اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

راشد بھائی کو صوی میں کوئی خوبی نظر نہ آئے مگر ان کے بچوں کی ماں بن کر ان کے دل میں تھوڑا سا ٹھکانہ بنا چکی تھی۔ مگر اس کی نازک مزاجی اور کاہلی کے ساتھ راشد بھائی کسی طور پر سمجھوتا نہ کر سکے اور ان کے گھروں میں ہر وقت تکا فضیحتی ہونے لگی۔ اس وقت شہنا ایاز علی کی تنہی ممنون ہوتی جو اسے ساہ سفید کا مالک بنا کر بے خبر ہو گیا تھا اور ہمیشہ نہایت ملائمت اور محبت سے پیش آتا۔ شہنا نے کبھی ایاز علی عالیہ شہریار اور صوی کے درمیان مصالحت کے فرائض بھی ادا کیے تھے۔ ایاز علی معلولی سے کرید کرید کر خوشبو کے حالات پوچھ رہا تھا۔

UrduPhoto.com

Meena@oneurdu.com, Posted by Meena@oneurdu.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com